ہم اور ہمارے اسلاف

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

برصغیر میں ایک معمولی سے قصبہ ''دیوبند'' کو جو جغرافیائی یا عمرانی اور تجارتی یا صنعتی اعتبار سے کسی خاص شہرت کا حامل نہ تھا، جو غیر معمولی حسن قبول نصیب ہوا وہ ''دارالعلوم'' کا اعجاز ہے، جس نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے سقوط کے بعد علوم اسلامیہ کو اپنی اصل صورت میں باقی رکھنے کے لیے گرانقدر خدمات انجام دیں اور اس سے پیدا ہونے والے ''رجال اللہ'' اس آخری صدی کے مجدد ثابت ہوئے۔ ''دیوبند'' کا نام اسی دارالعلوم سے چمکا اور دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچا۔ ''دارالعلوم'' سے کیسی کیسی نابغۂ روزگار شخصیات نکلیں، علم و عمل، اخلاص وللھیت اور بے نفسی کے کیسے کیسے پیکر وجود میں آئے اور علم و فضل کے ساتھ سلوک و احسان کے کیسے ماہر شناور ابھرے، یہ سب خالق کائنات کی صفات ''بدیع''، ''کریم'' اور ''جواد'' کا مظہر ہیں۔ ان اکابر کے اخلاص و تقویٰ، اتباع سنت، ہر معاملہ میں رضائے حق کی جستجو، استحضار آخرت، شریعت و طریقت کی جامعیت، انابت و رجوع الی اللہ، فرض شناسی، ادائیگی حقوق اور زہد و احتیاط کے ہزاروں واقعات آج بھی ہم ایسے اخلاف کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آج جب یہ واقعات نظر پڑتے ہیں تو اپنے اور اپنے اسلاف کے درمیان تفاوت و بعد المشرقین پر صدمہ اور ندامت سے آنکھیں جھک جاتی ہیں۔ یہ اکابر و اسلاف تو بہت بلند نسبت کے حامل تھے۔ ان کے متعلقین، مصاحبین اور مجالسین کے اوصاف فاضلہ اور اخلاق حمیدہ بھی ہم جیسوں کو شرمانے کے لیے کافی ہیں۔

اکابر علمائے دیوبند جہاں علوم عقلیہ و نقلیہ کے بحر ناپیدا کنار تھے وہاں بے نفسی اور تواضع وللھیت کا مجسم پیکر تھے۔ بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے علوم کا اندازہ ان کی تصانیف ''آب حیات''، ''تقریر دلپذیر'' اور ''قاسم العلوم'' سے واضح ہے جو اچھے خاصے علماء بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے باوجود ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ:

> ''حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے۔'' (ارواحِ ثلاثہ)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ جنھیں حضرت نانوتویؒ ''ابوحنیفہ عصر'' اور حضرت

علامہ انور شاہ کشمیریؒ "فقیہ النفس" کے بلند القاب سے یاد کرتے تھے، کی فنائیت و بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی۔ سب طلباء کتابیں لے لے کر اندر کو بھاگے۔ اتنے میں دیکھا کہ مولاناؒ سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر چلیں۔ (ایضاً)

یہ دونوں واقعات ان ہستیوں کے ہیں جن کا شمار دارالعلوم کے بانیوں اور سرپرستوں میں ہوتا ہے۔ اب دارالعلوم کے پہلے طالب علم، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی بے نفسی کا عالم ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت حکیم الامت ہی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت والاؒ مرادآباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لیے اصرار کیا۔ مولاناؒ نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے۔ مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لیے کھڑے ہو گئے اور حدیث "فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد" پڑھی اور اس کا ترجمہ کیا: ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔"

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے۔ انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔"

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا اس موقع پر کیا کیا؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے ہمیں اپنے گریبان میں جھانک کر معلوم کرنا چاہیے کہ اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ہمارا ردعمل کیا ہوتا۔ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا اعتراض توہین آمیز تھا۔ لیکن آپ حضرت شیخ الہندؒ کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر" مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کہنے کی لیاقت نہیں مگر لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی، یعنی آپ کی شہادت۔"

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی ختم فرما دیا تھا۔ اس کے بعد ان عالم صاحب سے بغرض استفادہ پوچھا کہ "غلطی کیا ہے تاکہ آئندہ بچوں۔"

انھوں نے کہا کہ "اشد" کا ترجمہ "اثقل" (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ "اضر" (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔ مولاناؒ نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے: "یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشد علی" (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی "اضر" (زیادہ نقصان دہ) کے معنی میں ہے۔ اس پر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ (ارواحِ ثلاثہ)

دارالعلوم دیوبند کے قرن اول کے طالب علم اور قرن ثانی کے ایک استاذ عارف باللہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ بھی تھے۔ آپؒ کے افاضات کا طویل سلسلہ ایک طرف ہزاروں شاگردوں کی صورت سے دنیا میں پھیلا، دوسری طرف فتاویٰ کی خدمت سے، تیسری طرف ارشاد وسلوک سے۔ علم وفضل اور تقدس کے اونچے معیار کے ساتھ سادگی کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ پڑوسیوں کے گھروں کا سودا سلف اور بازاری ضروریات خود بازار سے خرید کرلاتے اور ایک ایک کو پہنچاتے تھے۔ فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ عالم تھا کہ وفات کے وقت ہی ہاتھ سے قلم چھوٹا اور فتویٰ سینے پر رہا۔

دارالعلوم کے اساتذہ میں عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب (محدث دارالعلوم) کا نام نامی واسم گرامی بھی آتا ہے جو علوم قرآن وسنت کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق تھے۔ حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر ایسی جامع تقریر فرماتے کہ حدیث کا مفہوم دل میں اُتر جاتا اور شبہات خود بخود کافور ہوجاتے۔ خلوت گزینی اور زہد وعبادت آپ کا مشغلہ تھا، صاحب کشف وکرامات تھے۔ ان تمام صفات کے باوجود سادگی، زہد اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ آپ کا مکان اور نشست گاہ دونوں خام مٹی کے تھے۔ ہر سال برسات کے موقع پر ان کی لپائی وغیرہ ناگزیر ہوتی تھی جس پر کافی وقت اور پیسے خرچ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کرلیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہوجائے اور ہمیشہ کے لیے اس محنت سے نجات ہو۔

فرمایا ماشاء اللہ! بات تو بہت عقل کی کہی، ہم بوڑھے ہوگئے، ادھر دھیان ہی نہ آیا۔ یہ فرما کر پھر جو اصل حقیقت تھی وہ بتلائی کہ میرے پڑوس میں سب غریبوں کے کچے مکان ہیں۔ میں اگر اپنا پکا مکان بنالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے پکے مکان بنواؤں۔

اکابر دیوبند میں محدث العصر حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ حضرتؒ کے علم وفضل اور حافظہ کے حیرت انگیز واقعات آج بھی علمی دنیا میں استعجاب سے سنے اور پڑھے جاتے ہیں۔ آپؒ کی سوانح حیات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس محیر العقول خداداد حافظہ کے جہاں کچھ اور عوامل رہے ہوں گے وہاں ایک یہ بھی ہے کہ حضرت والا علم اور وسائل علم کے احترام وتعظیم کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ عام آدمی کی نظر بھی اُن باریکیوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہوکر مطالعہ کرتا ہوں۔''

اور یہ بھی فرمایا کہ ''میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو

نہیں کیا۔"(حیات انورؒ)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اللہ ثراہ فرماتے ہیں: "سفر وحضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز میں بیٹھتے۔ گویا کسی شیخ کے سامنے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں۔"

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تمام "اکابر دیوبند" کا مشترک رنگ یہ تھا کہ وہ ظاہری علوم کے ساتھ انابت الی اللہ اور اصلاح وتقویٰ کا بھی نمونہ تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے جب تھانہ بھون میں مدرسہ امدادیہ قائم فرمایا تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کو اس کی اطلاع دی۔ حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا: "اچھا ہے بھائی، مگر خوشی تو جب ہوگی جب یہاں اللہ اللہ کرنے والے جمع ہو جائیں گے۔"

دارالعلوم دیوبند کے علمی وروحانی فیوض وبرکات کے سلسلہ میں یہ بھی سنتے جایئے کہ اس درس گاہ پر کیسے کیسے مبارک زمانے اور ساعات گزری ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے والد محترم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہ کا بیان ہے کہ "ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت بھی دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے۔ دارالعلوم اس زمانے میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور درحقیقت یہی اس دارالعلوم کا طرۂ امتیاز تھا۔ (میرے والد ماجد از مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

وفاق المدارس پاکستان سے اس وقت بحمد اللہ ہزارہا مدارس ومکاتب ملحق ہیں اور اُن میں کم وبیش وہی نصاب تعلیم جاری ہے جو کسی وقت دارالعلوم میں تھا۔ مگر افسوس کہ دارالعلوم جیسی شخصیات، اساتذہ، طلبا، افراد اور کارکن نظر نہیں آتے۔ ہمارے اکابر واسلاف تقویٰ وانابت الی اللہ اور اخلاص وخشیت کے جس مقام پر فائز تھے دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہم جیسے ان کے نام لیواؤں کو بھی اس سے کوئی حصہ عطا فرمائیں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز. وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

اعتذار

ماہنامہ وفاق المدارس شمارہ اول میں زرسالانہ غلطی سے ۱۸۰ روپے لکھا گیا تھا، جب کہ ادارے کی طرف سے متعین شدہ زرسالانہ ۱۵۰ روپے ہے۔ لہٰذا قارئین اور اصحاب مدارس نوٹ فرمالیں